سراب اور سچائی

''اگر آپ ایک ارب پتی بزنس مین کے ہاں پیدا ہوتے یا آپ کے والد اس ملک کے وزیر اعظم ہوتے تو آپ کے محسوسات کیا ہوتے؟''، عید کی ملاقات میں عارف سے جب کسی نصیحت کے بارے میں کہا گیا تو انھوں نے حاضرین کے سامنے ایک سوال رکھ دیا۔

ایک ساتھ کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ ''زندگی بدل جاتی۔ بہت اچھا لگتا۔ کوئی مشکل، مشکل نہ رہتی۔''، اس طرح کے کئی جملے سننے کے بعد عارف نے کہا:

''وزیر اعظم بہت معمولی ہستی ہوتا ہے۔ لوگ جب چاہیں اس کی حکمرانی چھین لیں۔ اس کے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے۔ اس کا اقتدار کبھی بھی ختم ہوسکتا ہے۔ یہی معاملہ بزنس مین کا ہے جو دیوالیہ ہوسکتا ہے۔ اس کا کاروبار تباہ ہوسکتا ہے۔''، عارف لمحے بھر کے توقف کے بعد گویا ہوئے۔

''اس لیے ان کی اولاد نہ ہونے پر افسوس نہ کریں۔ خوشی اس پر منائیں کہ آپ کو اللہ نے اپنے بندے کے طور پر پیدا کر دیا ہے۔ خوشی اس پر منائیں کہ اس نے آپ کو جنت کا راستہ دکھا دیا ہے۔ اس راستے پر چل کر بہت جلد ساری دنیا کا اقتدار آپ کے قدموں میں ہوگا۔ ساری دنیا کے سونے چاندی سے زیادہ دولت آپ کے پاس ہوگی۔ ہر نعمت اور کامیابی آپ کا مقدر ہوگی۔''

عارف کی بات ابھی جاری تھی کہ مجلس میں نئے آنے والے ایک فلسفی بول پڑے:

''مذہب کا سراب''۔ عارف نے مسکرا کر انھیں دیکھا اور کہا:

''ہماری آنکھ کے سامنے ایک بچہ عدم سے وجود میں آتا ہے۔ اس کی ماں کا خون معجزانہ طور پر اس کے لیے دودھ بن جاتا ہے۔ یہ تو سراب نہیں۔ جب پیٹ کی قبر سے زندگی نے جنم لیا تو یہ معجزہ ہوگیا۔ جب زمین کی قبر سے زندگی دوبارہ پھوٹے گی تو وہ معجزہ بھی ہو جائے گا۔ خدا سراب نہیں سچائی ہے۔ اس کے فیض نے اس قاتل کائنات میں زمین کی یہ جنت بنا دی ہے۔ عنقریب اس کا فیض ختم نہ ہونے والی جنت بنائے گا۔ مگر یہ جنت بندوں کو ملے گی۔ مجرموں کو نہیں۔''،

عارف خاموش ہوگئے۔ اب لوگوں کے سوچنے کا وقت تھا کہ وہ بندے ہیں یا مجرم۔

شریعت کی اہمیت

شریعت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔اس کی اہمیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اور مسلمانوں کے بیچ ایک عہد و میثاق قرار دیا ہے، (مائدہ 7:5)۔شریعت کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ ہمیں دین کی اصل دعوت یعنی ایمان و اخلاق کا ایک قابل عمل اور موجودہ سائنٹفک طریقہ کے لحاظ سے ایک پیمائشی (measureable) نمونہ فراہم کرتی ہے۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کا اخلاقی مطالبہ یہ ہے کہ اپنا مال خرچ کریں۔ اگر دین یہ حکم دے کر خاموش ہو جاتا ہے تو اہل ایمان کے لیے ایک سخت صورتحال پیدا ہو جاتی ۔انھیں کبھی پتہ ہی نہیں چل پاتا کہ وہ کیا اور کتنا خرچ کریں کہ اس مطالبے کی تکمیل کر کے وہ اللہ کی گرفت سے بچ سکیں۔عقل تو یہ کہتی ہے کہ جب سب اللہ نے دیا ہے تو اللہ کا حق ہے کہ سب ہی اس کی راہ میں لٹا دیا جائے۔مگر یہی عقل بتاتی ہے کہ اگر سب لٹا دیا تو اپنے حال اور مستقبل کی ضروریات کا کیا ہوگا۔

شریعت اس سوال کا جواب یہ دیتی ہے کہ اپنی بچت کا ڈھائی فیصد سالانہ اور پیداوار پر عشر یا دسواں حصہ دے کر انسان خود پر عائد کم از کم ذمہ داری سے چھوٹ جاتا ہے۔اس کے بعد جتنی توفیق ہو اتنا خرچ کرے اور جنت کے بلند درجات حاصل کرے۔شریعت دین کے ہر اخلاقی حکم کے معاملے میں ایسی ہی متوازن اور قابل عمل قانون سازی کرتی ہے۔

شریعت کا یہی وہ توازن اور اس کی یہی اہمیت ہے جس کی بنا پر علما کو اپنے فہم کو کبھی شریعت بنا کر پیش نہیں کرنا چاہیے۔عالم کتنا بڑا کیوں نہ ہو اس کی رائے غیر متوازن ہو سکتی ہے۔ یہ صرف اللہ کی ہستی ہے جس کی عطا کردہ شریعت ہر حال میں قابل عمل اور ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک اور قابل عمل ہوتی ہے۔اسی شریعت کو پیش کرنا آج کے دور کی بہت بڑی خدمت ہے۔

رحمت عالم کا مشن

تپتی دوپہر کی جھلستی دھوپ اور مسجد کے جلتے فرش سے گزر کر میں مسجد کے مرکزی ہال میں داخل ہوا تو یک لخت محسوس ہوا کہ دنیا بدل گئی ہے۔ یخ بستہ ہوا اور سرد ماحول پر مشتمل یہ ایک نئی دنیا تھی جس نے باہر کے موسم کی ہر تمازت کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا۔ کل تک یہی حال تھا جہاں کے پنکھے ظہر کی نماز میں باہر سے آنے والے نمازیوں کا پسینہ جذب کرنے میں بھی ناکام رہتے تھے۔ مگر آج چاروں طرف لگے اے سی سسٹم نے کایا پلٹ دی تھی۔ آج پریشان حال نمازیوں کے بجائے پرسکون چہرے بارگاہ الٰہی میں سربسجود تھے۔

مجھے یاد آیا کہ امام صاحب نے جمعہ کی نماز میں اے سی لگوانے والوں کے لیے دعا کروائی تھی۔ سوال اس وقت بھی پیدا ہوا تھا کہ ایجاد کرنے والے ایجاد نہ کرتے تو لگوانے والے اے سی کیسے لگواتے۔ ان کے لیے دعا کیوں نہ ہوئی۔ انھیں دینے کے لیے تو ہمارے پاس ہدایت کا تحفہ ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نجات ہے۔ مگر سرکار کا پیغام پہنچانے کے لیے ان جیسا دل بھی چاہیے۔ شکایت سے بلند، محبت سے لبریز، سراپا دعا، سراپا کرم۔

آہ! مگر ایسا دل میں کن لوگوں میں ڈھونڈوں۔ چلیے دل نہ سہی دعا سہی۔ پوری نماز میں میرے دل سے ان لوگوں کے لیے دعا نکلتی رہی جنھوں نے انسانیت کو موسم کی شدت سے نجات دی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دعا سنی جائے گی۔ نفرت کے پجاریوں کا دور ختم ہوگا اور ختم نبوت کے بعد کارنبوت کا علم اٹھائے کچھ اہل محبت اٹھیں گے اور دنیا کے ہر کونے تک اسلام کی دعوت، محبت اور امن کا پیغام پہنچادیں گے۔

اہل نفرت شیطان کے مشن کی تکمیل کررہے ہیں۔ وہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اہل محبت نبی آخرالزماں کے مشن کی تکمیل کررہے ہیں جو رحمت عالم ہیں۔

مغرب کی نفرت

پچھلے دوڈھائی سو برسوں میں مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان کی فکری قیادت مغرب کی نفرت یا مرعوبیت کے تحت سوچتی رہی ہے۔ ان کا اپنا کوئی نقطہ نظر، ورلڈ ویو یا زاویہ نگاہ نہیں رہا ہے۔

مسلم تہذیب ہزار برس تک دنیا پر اس طرح حکومت کرتی رہی ہے کہ افریقہ سے لے کر وسطی ایشیا اور یورپ سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک پھیلی ہوئی متمدن دنیا میں کوئی اس کی ہم سری اور برابری کا تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ سیاست ہی نہیں تہذیب، تمدن، علم، فن، زبان، معاشرت اور تجارت میں کوئی اس سے آگے نہ تھا۔ مگر اس کے بعد یورپ میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب رونما ہوا اور زوال پذیر مسلم معاشرے ایک ایک کر کے یورپ کی غلامی میں چلے گئے۔

اقتدار کل کے بعد کلی مغلوبیت کے اس تجربے نے دور غلامی میں پیدا ہونے والی مسلم فکری قیادت کو اس توازن سے محروم کر دیا جو قوموں کی رہنمائی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کچھ کے نزدیک مغربی تہذیب کی اندھی پیروی ہی باعث شرف قرار پائی اور کچھ نے مغرب کی نفرت کو اپنی زندگی بنالیا۔

مسلمانوں کا اقتدار سے محروم ہونا عروج وزوال کے اس آفاقی قانون کا حصہ تھا جس کے تحت اللہ تعالیٰ اس دنیا کو چلا رہے ہیں۔ مسلمان اخلاقی طور پر کمزور ہوئے تو انھیں بغداد کی تباہی اور اسپین سے نکالے جانے کا سانحہ دیکھنا پڑا۔ عثمانی ترکوں اور سلاطین صفوی اور مغل ایمپائر کی شکل میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار گرچہ قائم رہا لیکن اس کے بعد وہ مسلسل علمی زوال کا شکار ہوتے چلے گئے۔ جبکہ یورپ میں ایک علمی انقلاب برپا ہوا جو آخر کار ان کے عالمی غلبے کی شکل

میں انیسویں صدی کی سب سے بڑی حقیقت بن کر سامنے آیا۔

دو تہذیبوں کا یہ عروج وزوال اللہ تعالیٰ کے اپنے قانون کا نتیجہ تھا۔ مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کی فکری قیادت نے اسے ظلم اور سازش کا موضوع بنادیا۔ انھوں نے پوری قوم کی تربیت اس اصول پر کی کہ یورپی اقوام نے سازش کرکے کچھ غداروں کی مدد سے مسلمانوں کو مغلوب کرلیا ہے۔ دو تہذیبوں کے عروج وزوال کی اس سے زیادہ سطحی تعبیر ممکن نہیں تھی۔ مگر بدقسمتی سے یہی تعبیر لوگوں میں سب سے زیادہ مقبول ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں مغرب کی شدید ترین نفرت ہمارے فکری طبقات کے رگ وپے میں سرائیت کرگئی۔

یورپی اقوام جب مسلم ملکوں سے رخصت ہوئیں تو اقتدار کی ہما ان لوگوں کے حصے میں آئی جو جدید تعلیم کے حامل اور مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ مغرب کی نفرت اب ان لوگوں کے خلاف نفرت میں تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ ایک طرف دنیا میں روس اور امریک کی سرد جنگ جاری تھی تو دوسری طرف مسلم مما لک میں مسلم اشرافیہ اور مذہبی فکری طبقات میں مسلسل کشمکش جاری تھی۔ نوگیارہ کے حملوں کے بعد افغانستان اور عراق پر حملے میں حکمران مسلم اشرافیہ امریکہ کے ساتھ تھی۔ چنانچہ نفرت کا لاوا ایک دفعہ پھر پھٹ پڑا۔ دنیا بھر میں مسلمان امریکہ کی نفرت کا شکار ہوگئے۔

بدقسمتی سے نفرت کے اس کھیل میں جو بات فراموش کردی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جو قومیں علم واخلاق میں پست ہوں وہ کتنی ہی نفرت کرلیں، ذلت، رسوائی اور شکست ان کا مقدر ہوتی ہے۔ ان کے صحافی، دانشور، علماء، واعظ اور خطیب نفرت کی آگ جتنی چاہے بھڑکائیں یہ آگ آخر کار ان ہی کے گھر کو جلاتی ہے۔

اس بات کو اگر ایک تاریخی حقیقت کے طور پر دیکھنا ہے تو دوسو سال تک جاری صلیبی جنگوں

کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ہزار برس قبل پوپ اربن دوم نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا کر یورپ کا ٹڈی دل اکٹھا کیا اور فلسطین پر چڑھائی کردی۔ یہ مسلمانوں کا دورزوال تھا۔ مگر ٹیکنالوجی میں وہ بہرحال یورپ سے آگے تھے۔ چنانچہ گنتی کے مسلمانوں نے آخرکار یورپی اقوام کی متحدہ قوت کو ذلیل کرکے باہر نکال کیا۔ تاہم یورپ کی خوش قسمتی تھی کہ دوصدیوں کی پٹائی کے بعد انھوں نے سبق سیکھ لیا۔ اس کے بعد ان کی فکری قیادت مسلمانوں کی نفرت سے زیادہ اپنے معاشروں کی اصلاح میں مصروف ہوگئی۔

مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ دوصدیوں کی مسلسل شکستوں اور بربادیوں کے باوجود مسلمان ابھی تک یہ سبق نہیں سیکھ سکے کہ خدا کی دنیا میں نفرت سے کچھ نہیں ہوتا۔ قومی اور تہذیبی غلبے کے لیے تعمیری سوچ اور اصلاحی ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسروں کو الزام دینے اور ان کی سازشیں ڈھونڈنے کے بجائے اپنی غلطیاں تلاش کرنا اور علم و اخلاق میں پستی کو دور کرنا اصل کرنے کا کام ہوتا ہے۔

تاہم اب جدید تاریخ میں پہلی دفعہ صورتحال بدل رہی ہے۔ مسلمانوں کی فکری قیادت میں پہلی دفعہ ایک نئے عنصر کا ظہور ہوا ہے جو مغرب کی مرعوبیت یا نفرت کے جذبات سے بلند ہوکر زوال کے اصل وجوہات کی نشان دہی کررہا ہے۔ آج گرچہ نفرت پھیلانے والوں کا سودا سب سے زیادہ خریدا جارہا ہے، مگر زیادہ وقت نہ گزرے گا کہ یہ آواز سب سے زیادہ موثر ہوجائے گی۔ یہی دن مسلمانوں کے عروج کا پہلا دن ہوگا۔

اہم یہ نہیں کہ رمضان میں آپ نے کیا اعمال کیے
اہم یہ ہے کہ رمضان کی تربیت نے آپ کو کیسا بنادیا (ابویحییٰ)

اللہ کیسے پاک ہے؟

قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح یا پا کی بیان کرتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو کئی مقامات پر اللہ کی پا کی بیان کرنے کا حکم ہوا ہے۔دین کی سب سے اہم اور بنیادی عبادت نماز کو بھی متعدد مقامات پر تسبیح سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس پس منظر میں یہ ضروری ہے کہ تسبیح یا اللہ کی پا کی بیان کرنے کے مفہوم کو سمجھا جائے تا کہ اس کائناتی ذکر کو جب ہم زبان سے نکالیں تو دل کی ساری کیفیات ہمارے ساتھ ہوں۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ سبحان اللہ کا لفظی مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ہے۔ یہ گویا عالم کے پروردگار کو ہر اس وصف اور عیب سے بری قرار دینے کا نام ہے جس کی نسبت اس کی طرف درست نہیں۔ان میں سے پہلی چیز اللہ کو ہر طرح کے شرک سے پاک قرار دینا ہے۔اس مفہوم میں اللہ کی تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس کائنات کا بلاشرکت غیر خالق و مالک ہے۔اسے کائنات کی تخلیق میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی۔اس کا کوئی ساجھی،شریک،باپ،بیٹا،بیوی،ہم سر،ہم جنس نہیں۔کوئی نہیں جو اس کی ذات،صفات،اختیار،اقتدار اور حقِ اطاعت میں اس کا شریک ہو۔ اپنے وجود،اپنی ہستی،اپنی بقا،اپنی شان اور بادشاہی میں وہ کسی کی مدد و تعاون کا محتاج نہیں۔سب اُس سے ہیں،وہ کسی سے نہیں۔ ہر چیز اُس کی ملکیت ہے اور ہر ذرہ پر اُسی کی حکومت ہے۔

تسبیح کا دوسرا مفہوم یہیں سے پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا ہی خالق و مالک ہے تو پھر اسی کی عبادت اور بندگی ہونی چاہیے۔نماز کو اسی مفہوم میں تسبیح کہا گیا ہے کہ یہ اپنے جذبہ عبودیت کو ہر غیر سے ہٹا کر اللہ کے لیے خالص کر دینے کا نام ہے۔

تسبیح کا تیسرا مفہوم تنزیہی ہے۔یعنی اللہ کی ہستی کو ہر طرح کے نقص،کمزوری،عجز،عیب،تعین، تشبیہ اور تمثیل سے بلند قرار دیا جائے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان چیزوں کو اپنے مشاہدے اور

تجربے سے سمجھتا ہے۔ایک پھل کو دیکھ کر دوسرے کو اور ایک مویشی کو دیکھ کر دوسرے کو اس پر قیاس کر لیتا ہے۔انسان مادی وجود ہے اور ہر چیز کو مادی جسم کی شکل ہی میں سمجھتا ہے۔انسان ہر شے میں کمزوری کا پہلو تلاش کر لیتا ہے اور بغیر کمزوری اور عیب کے کسی ہستی کا وجود تصور نہیں کر سکتا۔ایسے میں سبحان اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ اے اللہ تو میرے احاطہ ادراک سے باہر، تصور سے بلند اور ہر ممکنہ عیب سے پاک ہے۔تو اپنی ذات میں ایک ہی ہے اور تجھ سا کوئی نہیں۔تیرے احاطہ قدرت میں ہر شے ہے اور تو جو چاہے بلا کسی سبب اور وسیلے کے کر سکتا ہے۔

تسبیح کا اگلا مفہوم یہ ہے کہ زندگی میں جو کچھ حوادث پیش آ رہے ہیں، ان میں جو ناانصافی یا ظلم وغیرہ کا عنصر نظر آ رہا ہوتا ہے وہ بظاہر اللہ کے اذن سے ہوتا ہے، مگر اس میں اس کی کوئی حکمت اور مصلحت ہے۔وہ کبھی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور نہ اس کی ذات سے کبھی کسی شر کا ظہور ہوتا ہے۔وہ تو سراپا خیر اور سراپا احسان ہے۔اس مفہوم میں تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ بدترین حالات میں بھی ہمیں اپنے مالک سے کوئی شکایت اور شکوہ نہیں۔

تسبیح کا اگلا مفہوم خدا کی کاملیت کا اقرار ہے۔جب وہی کامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ناقص ہوں۔مجھ سے خطا کا ظہور ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے۔اس لیے سبحان اللہ کا مطلب اب یہ ہوا کہ مجھ سے اپنے عجز اور کمزوری کی بنا پر غلطی ہو گئی، مگر میں بندہ ناقص ہوں، آپ جیسا بے عیب نہیں ہوں۔اس لیے معافی کا مستحق ہوں۔مجھے معاف کر دیجیے۔یہی وہ مفہوم ہے جس میں حضرت یونس نے آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کو لا الہ الا انت سبحانک کہہ کر پکارا تھا۔

جو انسان اس پورے شعور کے ساتھ سبحان اللہ کا ذکر کرے گا، آسمان سے لے کر زمین تک کی ہر مخلوق رشک کی نگاہ سے اس بندے یا بندی کو دیکھے گی اور بروز قیامت اس کا اجر میزان کی ہر چیز پر بھاری ہو جائے گا۔

شان مسلمانی

پچھلے دنوں انٹرنیٹ پر مصری چینل النہار کی ایک وڈیو بہت مشہور ہوئی جس میں ایک جدید وضع قطع کی لڑکی ایک خاتون اسکالر کا انٹرویو کر رہی تھی۔ یہ خاتون ڈاکٹر نوحا سلفی پس منظر کی تھیں جواب متشکک (Skeptic) ہوچکی تھیں۔ چنانچہ اپنے اس موجودہ پس منظر کی بنا پر انھوں نے مذہب سے متعلق بڑے منفی خیالات کا اظہار کیا۔ مثلاً دوران انٹرویو ان خاتون اسکالر نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتیں، آسمانی وحی کوئی چیز نہیں اور حضرت جبریل کی ہستی بس ایک کہانی سے زیادہ نہیں۔ اسی نوعیت کے کچھ اور خیالات کا بھی انھوں نے اظہار کیا۔

خیر اس انٹرویو کی وجہ شہرت یہ نہیں بنی، اصل چیز جس نے اس انٹرویو کو مقبول کردیا وہ یہ تھی کہ جدید وضع قطع کی اینکر نے خاتون اسکالر سے کچھ سخت سوالات کیے، اسلام سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا اور آخر کار اس خاتون کو پروگرام سے ذلیل کرتے ہوئے نکال دیا۔

آج کے مسلمانوں کے جذباتی انداز فکر کی بنا پر ان میں اس طرح کی چیزیں بہت مقبول ہوجاتی ہیں۔ یعنی ایک فیشن ایبل اینکر نے غیر اسلامی خیالات کی بنا پر کسی کو پروگرام سے نکال دیا۔ درحقیقت اس طرح کی چیزیں اسلام کا بدترین تعارف ہیں۔ یہ اسلام کا ایک ایسا تعارف پیش کرتی ہیں کہ گویا اس کے پاس اس طرح کی سطحی باتوں کا کوئی جواب نہیں سوائے اس کے کہ سوال کرنے والے پر گرج برس کر اس کا منہ بند کردیا جائے، اسے قتل کردیا جائے یا نکال دیا جائے۔

اس پروگرام سے کسی کو اگر نکالنا چاہیے وہ ٹی وی اینکر ہے۔ اس لیے کہ ایک برس قبل یہ خاتون اینکر ایک مسلم اسکالر کو بلا کر اسی طرح آن ائیر ذلیل کرچکی تھیں۔ وہ عالم اس شرط پر پروگرام میں آئے تھے کہ اینکر اسکارف لیں گی۔ مگر اینکر نے لائیو پروگرام میں اسکارف اتار دیا اور سارے ناظرین کو یہ بتادیا کہ یہ بزرگ جو ہزار پونڈ لے کر اس پروگرام میں آئے ہیں، مجھے

پروگرام سے قبل بغیر اسکارف کے دیکھتے رہے ہیں۔ پروگرام سے قبل عالم کے ساتھ بغیر اسکارف لیے اس اینکر کی عالم کے ساتھ گفتگو بھی دکھائی گئی۔

اینکر اپنے پروگراموں کو مقبول بنانے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ خاتون اینکر اگر سنجیدہ ہوتی تو خاتون اسکالر کو پروگرام میں بلانے سے قبل اس کا پس منظر معلوم کرتی۔ پھر کسی معقول صاحب علم سے اس طرح کے اعتراضات کا جواب سمجھ لیتی۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قرآن مجید میں علمی بنیادوں پر اس طرح ثابت ہے کہ کوئی معقول شخص کسی طرح اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنی کتاب ''قسم اس وقت کی'' میں ان دلائل کو کچھ اختصار سے بیان کیا ہے۔

ان میں سے ایک سادہ ترین دلیل یہ ہے کہ کوئی عام انسان چاہے وہ پیش گوئی کرنے کی کتنی ہی صلاحیت رکھتا ہو، مستقبل کے واقعات اتنی قطعیت سے نہیں بیان کرسکتا جس طرح اللہ کے نبی علیہ السلام نے بیان کیے۔ یہ پیش گوئیاں فرد، قوم اور بین الاقوامی حالات تینوں سے متعلق تھیں۔ مثلاً آپ نے قرآن مجید میں ابولہب کی ہلاکت کی پیش گوئی کی۔ آپ نے اپنی قوم کے متعلق بتادیا تھا کہ جس وقت قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی، اس کے بعد وہ خود اس سرزمین میں نہ رہ سکے گی۔ یہ دونوں پیش گوئیاں اس وقت کی گئیں جب مکہ میں مسلمانوں کے لیے جان بچانا دشوار ہو چکا تھا۔ پھر آپ نے رومی سلطنت کی بدترین شکست کے زمانے میں یہ بتادیا تھا کہ وہ عنقریب ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ یہ سب کچھ بعینہ چند برسوں میں ہوگیا۔ ڈاکٹر نوحا نے کہا تھا کہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف ہے۔ سوال یہ ہے کہ کوئی مصنف مستقبل کا ایسا صاف اور صحیح نقشہ کیسے کھینچ سکتا ہے۔ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔

مگر اس خاتوان اینکر نے یہ نہیں کیا۔ اس کے بجائے ایک اسکالر سے بحث کرتی رہی اور

آخر کار اسے پروگرام سے نکال دیا۔ حالانکہ اگر وہ خود معقول جواب نہیں رکھتی تھی تو ڈاکٹر نوحا کے اعتراضات سنتی اور اگلے پروگرام میں کسی اچھے اسکالر کو بلا کر اس سے جواب لے لیتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے رویے مسلمانوں میں اس لیے مقبول ہیں کہ وہ جذباتی ہو جانے، اسلام اور پیغمبر اسلام سے اظہار عشق کرنے اور معترض پر فتوے بازی کرنے اور اسے قتل کر دینے کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس وڈیو کے ذیل میں جو تبصرے آئے ان میں اطمینان سے کہا گیا کہ ڈاکٹر نوحا کو قتل کر دینا چاہیے۔ خود ڈاکٹر نے جو چہرے کا پردہ کیے ہوئے تھی پروگرام کے آغاز میں یہ کہا کہ وہ پردہ خود کو چھپانے کے لیے کیے ہوئے ہیں کہ اسے قتل نہ کر دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام علم و عقل پر اس درجہ میں ثابت شدہ دین ہے کہ اسے کسی معترض کے اعتراض سے کوئی خطرہ نہیں۔ اسلام کو اصل نقصان یہ انداز فکر پہنچا رہا ہے جو بے قابو جذباتیت سے عبارت ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اسی جذباتی انداز میں بات کرنے والے لوگ بہت مقبول ہیں۔ یہی آج شان مسلمانی بن چکی ہے۔ جبکہ معقولیت کے ساتھ اسلام کی سچائی پیش کرنے والوں کی کوئی قدر و قیمت مسلمانوں کے معاشرے میں نہیں۔

اعلیٰ اخلاقی سطح اکثر
دو قسم کے لوگوں میں پیدا ہوتی ہے
وہ لوگ جن کی تربیت بہت اعلیٰ ہو یا
وہ لوگ جن کا مقصدِ حیات بہت اعلیٰ ہو (ابویحییٰ)

جھوٹے پروپیگنڈے پر صبر

لغویات بے فائدہ اور بے مقصد کاموں کو کہا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اہل ایمان کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ لغویات سے دور رہتے ہیں، (المومنون 3:)۔ تاہم قرآن کریم میں لغویات کا ذکر ایک دوسرے پہلو سے بھی آیا ہے۔ وہ یہ کہ اہل ایمان جب لغو بات سنتے ہیں تو اسے نظر انداز کر کے باوقار طریقے سے گزر جاتے ہیں، (القصص 55:28، الفرقان 72:25)۔ یہی وہ پہلو جس میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس بات کو جنت کی ایک بہت بڑی نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اہل ایمان کو وہاں لغویات سننے کو نہیں ملیں گی، (الواقعہ 35:78، النبا 25:78، الطّور 23:52، مریم 62:19)۔

اس پہلو سے لغویات سے مراد بیہودہ گوئی، لایعنی تبصرے، غیر متعلق نکتہ آفرینی، طنز و استہزا، الزام تراشی، کذب و افترا، اشارہ بازی، اور برے ناموں سے پکارا جانا سب شامل ہیں۔ اعلان نبوت کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع ہوئی تو کفار مکہ نے دیگر حربوں کے ساتھ ان چیزوں سے بھی مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو کسی کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ حالات تھے جن میں ایک طرف اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو صبر و برداشت کے ساتھ اس بیہودگی کو برداشت کرنے کی تلقین کی بلکہ یہ یقین دلایا کہ جنت میں انھیں ایسی فضول چیزوں کو سننے کی زحمت سے بچالیا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک داعی کو ہمیشہ اس طرح کی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مگر ایسے موقع پر بندہ مومن کا اصل سرمایہ پروردگار کی یہی نصیحت ہوتی ہے کہ اس طرح کی چیزوں کو مکمل نظر انداز کر دو۔ اس یقین کے ساتھ جیو کے ایک دن آئے گا جب تمھارا مذاق اڑانے والے، تمھیں گمراہ قرار دینے والے خود مذاق بن جائیں گے، (المطففین 83: 36-29)۔

محمد عامر خاکوانی

ہم کہاں جارہے ہیں؟

چند دن پہلے ایک دوست سے ملاقات ہوئی ، وہ رنجیدہ دکھائی دیئے ،معلوم ہوا کہ ان کے ایک محلے دار کا نوجوان لڑکا انتقال کر گیا ہے، وہ کینسر کا مریض تھا۔ بتانے لگے کہ چند دن پہلے ان کے سسرالی عزیزوں میں بھی تیس سالہ نوجوان کی ڈیتھ ہوئی ہے، وجہ کینسر ہی تھی۔ محفل میں موجود ایک اور دوست بھی اسی طرح کے ایک دو اور واقعے سنانے لگے۔ جب ادھر ادھر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ کینسر کا مرض خوفناک حد تک تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ روٹین چیک اپ کا رواج نہیں ہے،اس لئے بیشتر کیسز میں مریض کو اس وقت پتہ چلتا ہے ،جب وہ مرض کی آخری سٹیج پر پہنچ چکا ہو۔آپ بھی اگر اپنے اردگرد دیکھیں اور اعداد وشمار اکٹھے کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ مسئلہ کس قدر خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے۔

پاکستان جیسے ملک میں مسئلہ یہ ہے کہ اس طرف سوچے کون؟ میڈیا تو اپنی ترجیحات واضح کر چکا۔کرنٹ افیئر زاس کی پہلی پسند ہے۔ ہر واقعہ جو فوری اور ہنگامی نوعیت کا ہو،خواہ اس کی بڑے تناظر میں اہمیت ہو یا نہ،میڈیا خاص کر الیکٹرانک میڈیا پر وہ سب سے زیادہ وقت لے گا۔طاہر القادری صاحب جہاز سے نہیں اترے تو کئی گھنٹوں تک کیمرے ان کے جہاز ہی پر مرکوز رہیں گے۔ چودھری نثاروزیر اعظم سے روٹھے بیٹھے ہیں تو چودھری صاحب کی ناراضی اور پھر ان کو منائے جانے کی کوششیں ہی تمام ٹاک شوز کا موضوع ہوں گی۔ارسلان افتخار کو بلوچستان میں انوسٹمنٹ بورڈ کا وائس چیئر مین بنایا گیا تو یہ خبر بنی، کالم لکھے گئے ، ٹاک شوز ہوئے ، اسمبلی میں تقریریں ہوئیں۔ ارسلان افتخار کو ہٹا دیا گیا تو یہ بھی اسی طرح خبروں کا موضوع بنا۔ارسلان افتخار نے عمران خان کے خلاف محاذ کھول دیا تو اینکرز کی باچھیں کھل گئیں،انہوں نے اس نئے

ایشو کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔

میڈیا کو اس سے سروکار نہیں کہ بنوں میں لاکھوں متاثرین کے ساتھ کیا گزر رہی ہے؟ ہمیں پسند ہو یا نہ، اچھا لگے یا برا، میڈیا تو یہی کچھ کرے گا، یہ آج کی زمینی حقیقت ہے۔ سول سوسائٹی تو ویسے بھی ہمارے ہاں ایک اصطلاح سے زیادہ کی اہمیت نہیں رکھتی۔ رہی انٹیلی جنشیا تو ہمارے ہاں نام نہاد انٹیلی جنشیا ہی ہے۔ بقول شخصے ہماری انٹیلی جنشیا ریٹائرڈ بیوروکریٹس، اردو کے چند استادوں، جنہیں کالم لکھنے کا موقعہ مل گیا اور وہ اب خود کو دانشور کہلانا پسند کرتے ہیں یا پھر چند ایک تاریخ یا سماجی فلسفے کے متروک پروفیسروں پر مشتمل ہے۔ ملا کی دوڑ مسجد تک۔ یہ پڑے پڑے سینئر ہو جانے والی انٹیلی جنشیا تو بے چاری چلنے کے قابل نہیں، اس کی دوڑ کہاں تک ہونی ہے؟ ایک زمانے میں جب ریڈیو پاکستان کا طوطی بولتا تھا اور ہر خاص و عام ریڈیو سنا کرتا تھا، سات بجے ایک مقبول پروگرام نشر ہونا تھا، اس سے چند منٹ پہلے سازندوں کی ایک پرفارمنس چلنے لگی۔ ایک صاحب نے ریڈیو فون کر کے کہا، یہ کیا بے کار پروگرام چل رہا ہے، ڈیوٹی افسر کوئی زندہ دل شخص تھا، اس نے برجستہ جواب دیا، ''حضرت پریشان نہ ہوں، سات بجنے تک کا وقت پورا ہو رہا ہے۔'' ہمارے بیشتر دانشور اور لکھاری بھی وقت ہی پورا کر رہے ہیں۔

دو دن پہلے ایک دوست سے کینسر کے موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ایک سینئر کینسر سپیشلسٹ ڈاکٹر کا حوالہ دیا، جو کچھ عرصہ پہلے ریسرچ ورک کرنے پاکستان آیا تھا۔ وہ بتانے لگے کہ بوڑھے ڈاکٹر سے ان کی تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں، ان کا ایک آدھ لیکچر بھی کرایا۔ کینسر سپیشلسٹ ڈاکٹر کا لیکچر حیران کن انکشافات سے بھرپور تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا، ''پاکستانیوں کو اندازہ نہیں کہ کینسر یہاں پر کس قدر خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے، اس کی دو تین وجوہ ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ پاکستانیوں کا لائف سٹائل بالکل بدل چکا ہے۔ یہ اپنے قدرتی حالات سے ہم

آہنگ لائف سٹائل کے برعکس ایسا مصنوعی طرز زندگی اپنا چکے ہیں، جو انہیں اندر سے تباہ کر رہا ہے۔ دیر سے سونا، دیر سے جاگنا، غیر صحت مند غذا، ورزش سے گریز، تناؤ، ٹینشن، مزاج میں تلخی، کڑواہٹ، غصہ، بات بات پر لڑائیاں ...... یہ سب اسی ان نیچرل لائف سٹائل کی دین ہیں۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ پاکستانیوں کے لئے صحت مند تفریح کے مواقع بہت کم ہو چکے ہیں، کھیل، میلے، فیسٹول، فلم، تھیٹر ٹی وی ڈرامہ، مشاعرے...... ہر حوالے سے چیزیں مکمل طور پر بدل چکی ہیں۔ تفریح کی نوعیت انفرادی ہو چکی، اجتماعی تفریح کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا ہے۔ ایک عرصے تک لوگ اکٹھے بیٹھ کر پی ٹی وی کا ڈرامہ دیکھا کرتے، پوری فیملی لطف اندوز ہوتی، ان کے درمیان موجود محبت کا رشتہ مضبوط رہتا۔ اب تو ایک ڈائننگ ٹیبل پر بھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ تیسری بڑی وجہ مختلف نوعیت کی انفیکشن اور بیماریاں ہیں، جن میں سے بعض مسائل سنگین ہو کر کینسر کی طرف جا سکتے ہیں۔ مثلاً ہیپا ٹائٹس بی خوفناک صورت اختیار کر چکا ہے، اگر اس کو کنٹرول کر لیا جائے تو جگر کے کینسر سے بچا جا سکتا ہے، ہیپا ٹائٹس سی کی ویکسین نہیں، مگر بی کی ویکسین تو بہر حال موجود ہے، اسے تو کنٹرول ہونا چاہیے۔

''چوتھی اور بہت اہم وجہ مختلف اشیا میں در آئی خطرناک ملاوٹ ہے۔ پاکستان میں موجود کسی بھی کھانے کی چیز پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا بھر میں دودھ صحت مند غذا کا لازمی جز ہے، ادھر دودھ کھلا ہو تو بھی غیر محفوظ، پیکٹوں میں بھی بند ہے تو اس کے بارے بھی طرح طرح کے افسانے مشہور۔ مرچوں سے لے کر سپرے سے متاثرہ سبزیوں اور پھلوں تک کس کس چیز سے بچا جا سکتا ہے؟ ریڈ میٹ یعنی گائے اور بکرے کے گوشت سے بچ کر وائیٹ میٹ یعنی مرغی، مچھلی پر آئیں تو پھر بھی مصیبت۔ برائلر مرغی کی فیڈ پر ریسرچ کی جائے تو خوفناک حقائق سامنے آئیں گے۔ پھر لوگوں کو آگہی بالکل نہیں۔ میڈیا پر صحت سے متعلق کچھ نہیں بتایا جاتا۔ لوگ فریج

میں چیزیں محفوظ کرنے کے لئے رکھتے ہیں، انہیں معلوم ہی نہیں کہ وہاں تو سب سے زیادہ جراثیم ہیں۔ جس اسفنج سے برتن دھوئے جاتے ہیں، وہاں پر باتھ روم کے کموڈ سے زیادہ آلودگی اور جراثیم پائے جاتے ہیں، کبھی کسی نے اس اسفنج کو گرم پانی سے دھونے کی زحمت ہی نہیں کی۔ باتھ روم کے دروازے کے ہینڈل اور چٹخنی کو کبھی گرم پانی سے نہیں دھویا گیا۔ ہر گھر میں فینائل سے فرش دھویا جاتا ہے، حالانکہ یہ انسانی جسم کے لئے ایک اجنبی اور نقصان دہ کیمیکل تصور کیا گیا ہے، امریکہ جیسے ملک میں لوگ میٹھے سوڈے میں سرکہ ملا کر فرش دھوتے ہیں جو بہترین اینٹی بیکٹیریا بھی ہے اور انسانی جسم کے لئے مضر بھی نہیں۔'' ڈاکٹر سے پوچھا گیا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ سب درست ہے، مگر اس کے باوجود عام پاکستانی کینسر سے بچنا چاہے تو کیا کرے؟ بوڑھے سائنس دان نے ترنت جواب دیا، ''انفرادی طور پر تو کینسر سے بچنے کے تین چار طریقے ہیں، سموکنگ بالکل چھوڑ دیں، کینسر کی بیس بائیس فیصد اموات اسی سے ہوتی ہیں پان، گٹکا سے جان چھڑائیں، سرخ گوشت کے بجائے سبزیوں، پھلوں پر انحصار کریں، بغیر چھنے آٹے کی روٹی کھائیں، ٹینڈے، کدو، توری، شلجم، پالک جیسی سادہ سبزیاں پسند کرنا شروع کر دیں،، ٹماٹر، بند گوبھی، کھیرے اور دہی، شہد، زیتون خوراک کا لازمی جز بنائیں، گرین ٹی لیا کریں، سب سے بڑھ کر باقاعدگی سے ورزش اور گھر کے کام کاج کریں، موٹاپا پندرہ بیس فیصد تک کینسر کی بیماریوں کی وجہ ہے۔ اس کے باوجود یہ یاد رکھیں کہ بطور قوم بھی اپنی عادتیں درست کرنی ہوں گی۔ ہر وقت کی ہنگامی صورتحال سے نکل کر کچھ دیر تک یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کینسر جیسی جسمانی اور اس جیسی بعض اخلاقی بیماریوں سے بچنے کے لئے اپنا محاسبہ بڑا ضروری ہے۔ یہ محاسبہ فرد بھی کرے اور قوم بھی۔''

ابو یحییٰ

عالمی رویت ہلال اور مقامی رویت ہلال

محترم قارئین! رویت ہلال کے حوالے سے ہمارے ہاں جو اختلافات ہوتے رہے ہیں ان کی تاریخ کئی عشروں پر پھیلی ہوئی ہے۔ مگر انفارمیشن ایج کے ساتھ اس میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہوگیا ہے۔ وہ یہ کہ بہت سے لوگ اپنے ملک میں نظر آنے والے چاند کو معیار بنانے کے بجائے کسی دوسرے ملک کے چاند کو معیار بنا کر روزے اور عید وہاں کے حساب سے منانے کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ اسے ہم نے عالمی رویت ہلال کا نام دیا ہے۔

اس حوالے سے آج میں ایک مضمون کا ترجمہ و تلخیص آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جو بہت سادہ طریقے پر دین اور عقل عام کی روشنی میں ایک معقول بات آپ کے سامنے رکھ دے گا۔ اس سے واضح ہوجائے گا کہ عالمی رویت ہلال کا تصور نہ صرف دین کی اپنی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ عقلی اور عملی طور پر ممکن اور قابل عمل ہی نہیں ہے۔ تاہم مضمون نگار سے اس اصولی اتفاق کے باوجود ہمیں ان کے اس نقطہ نظر سے اختلاف ہے کہ انھوں نے عالمی رویت ہلال کے قائلین کو اہل بدعت کے زمرے میں شامل کرلیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نقطہ نظر درست نہیں۔ یہ دراصل ایک علمی مسئلہ ہے جس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اس لیے اس میں جذباتی ہونے کے بجائے علمی طریقے پر اس کا جائزہ لینا چاہیے۔

چنانچہ اصل مضمون سے پہلے میں یہ چاہوں گا کہ اہل علم کا اصل اختلاف سامنے رکھ دوں۔ اس معاملے میں ہمارے فقہا میں جو علمی بحث ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک علاقے میں چاند نظر آ گیا تو وہ اور کہاں تک کے لوگوں کے لیے حجت ہوگا۔ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ ایک شہر کی رویت

پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے حجت ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نقطہ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتوں کو ان کو اپنے اصل پس منظر میں نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اللہ اور اس کا رسول کوئی ایسی چیز سارے مسلمانوں پر لازم نہیں کر سکتے جو عملاً ممکن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں چاند کا ایک دن میں طلوع ہونا ممکن ہی نہیں (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔ اس حقیقت کو ہمارے تمام اہل علم مانتے ہیں۔ اس لیے اس باب میں زیادہ درست رائے ہمارے نزدیک یہ ہے کسی ایک شہر میں چاند نظر آ گیا تو وہ شہر جس ملک کا حصہ ہے، نظم اجتماعی کی پابندی میں اس سارے ملک پر اس کا اطلاق ہوگا اور ملک کے ہر ہر شہر کے لوگوں کے لیے ضروری نہیں رہے گا وہ کہ اپنی آنکھوں سے چاند دیکھ کر روزہ یا عید کا اہتمام کریں۔ روایات کا درست مطلب یہی ہے۔ یعنی یہ بات کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو" کا مطلب یہ نہیں کہ ایک جگہ چاند نظر آ گیا تو پوری دنیا کے لوگ روزے شروع کر دیں۔ اس بات کے مخاطب پوری انسانیت نہیں، بلکہ ایک نظم اجتماعی یا ایک ملک کے لوگ ہیں۔

دنیا بہت بڑی ہے اور چاند کا مختلف دنوں میں نظر آنا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس لیے دوسرے ممالک کے لوگ اپنے ملک میں چاند کے نظر آنے پر روزہ رکھیں گے۔ یہی ہمارے نزدیک روایات اور اہل علم کے ارشادات کا مطلب ہے۔ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھنے کا مطلب جس طرح یہ نہیں ہے کہ ہر ہر شخص اپنی انکھوں سے چاند دیکھ کر روزہ رکھے۔ بلکہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب نئے چاند کی اطلاع مل جائے تو گویا نیا مہینہ طلوع ہو گیا سو روزے رکھ لو، ٹھیک اسی طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس ملک میں چاند نظر آ سکتا ہے وہاں کہ لوگ روزہ رکھ لیں اور جس میں اگلے دن نظر آئے وہ اگلے دن سے روزہ رکھنا شروع کریں۔

باقی ہمارے نقطہ نظر کے جو کچھ دلائل ہیں اس کا اچھا خلاصہ چونکہ اس مضمون میں آ گیا ہے

ہے اس لیے اب اپنی طرف سے مزید کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے یہ مضمون پیش خدمت ہے۔ یہ مضمون انٹرنیٹ پر شائع ہوا تھا اور اس کا اردو ترجمہ ''انذار'' کے لیے محترمہ بت عتیق نے کیا ہے۔

اصل مضمون

آج کل کچھ دیگر ممالک میں رہنے والے مسلمان ''عالمی رویتِ ہلال'' کی رائے پر عمل پیرا ہیں۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ اگر دنیا کے کسی خطے سے چاند دیکھنے کی شہادت موصول ہو جائے تو وہ لوگ اپنے ملک کو چھوڑ کر اس کے مطابق رمضان اور عید وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ طریقہ درست نہیں۔ ثبوت کے طور پر چند احادیث کا مطالعہ کیجیے:

☆ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مقامی رویت ہلال ہی کا طریقہ رائج تھا اور انہوں نے اس ہی کی تلقین بھی فرمائی۔ یہ روایت امام مسلم اپنی صحیح میں درج ذیل عنوان کے ساتھ لائے ہیں:

''ہر قصبے کی اپنی رویتِ ہلال ہے۔ کسی ایک قصبے میں چاند کا نظارہ دوسرے قصبے کے لیے لائقِ تقلید نہیں مانا جا سکتا جبکہ دونوں قصبے نمایاں فاصلے پر واقع ہوں۔'' (صحیح مسلم کتاب الصیام باب 5)

اس عنوان کے تحت وہ روایت بیان کرتے ہیں:

☆ ایک صحابی (کریب) سے روایت ہے کہ ''ام الفضل نے مجھے کسی کام سے حضرت معاویہ کے پاس شام بھیجا۔ میں شام ہی میں موجود تھا جب وہاں جمعہ کی رات کو رمضان کا چاند نظر آ گیا۔ اس مبارک مہینے کے اختتام پر میں مدینہ پہنچا تو حضرت ابنِ عباس نے مجھ سے شام کے بابت سوالات کیے۔ مزید یہ بھی پوچھا کہ وہاں چاند کب دیکھا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ 'ہم نے

جمعہ کی رات کو چاند دیکھا'۔ انہوں نے دریافت کیا کہ ' کیا تم نے بذاتِ خود ہلال کا دیدار کیا؟'
میں نے کہا 'جی میں نے اور دیگر بہت سے لوگوں نے بھی ہلال دیکھا اور حضرت معاویہ سمیت
ہم سب نے اس کے مطابق رمضان کے روزے رکھے'۔تب حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ
' مگر ہم نے ہفتہ کی رات چاند دیکھا لہٰذا ہم اس کے مطابق 30 دن تک روزے رکھیں گے یا پھر
29 کو (شوال کا) چاند نہ دیکھ لیں۔'میں نے ان سے دریافت کیا کہ ' کیا حضرت معاویہ اور
ان کی رویتِ ہلال آپ کے لیے لائقِ تقلید نہیں؟ '۔انہوں نے فرمایا کہ 'نہیں! حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہمیں یہی طریقہ سکھایا ہے۔(مسلم 1819،ترمذی 629 ، نسائی 2084،ابوداؤد
1985،احمد 2653۔)

مندرجہ بالا روایت واضح ثبوت پیش کرتی ہیں کہ لوگ اپنے اعتبار سے چاند دیکھ کر روزہ
رکھتے تھے اور دوسروں کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔حضرت ابنِ عباس کو ایک ایسے شخص نے
کہ جس نے بذاتِ خود چاند کا دیدار کیا، اس بات سے مطلع کیا کہ شام میں رمضان کا آغاز ایک
دن قبل ہو گیا تھا، تب انہوں نے یہ کہہ کر شام کی رویت ہلال کی تقلید سے انکار کیا کہ یہ ان کی
رائے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ دوسرے قصبے کی رویتِ ہلال کی تقلید لازمی
نہیں۔ اسلام اور شریعت کے احکامات وقت کے ساتھ نہیں بدلتے۔
شیخ العثیمین نے امریکہ اور دیگر سعودی عرب سے باہر کے ممالک کے مسلمانوں کے لیے
صاف اور واضح فتویٰ جاری کیا ہے کہ:

" یہ ایک معلوم فلکیاتی حقیقت ہے کہ ہر خطہء زمین پر چاند کی پیدائش کا ایک الگ وقت
ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال نظر آ جائے اور دوسرے خطے میں ابھی ناپید ہو۔لہٰذا نص کی
رو سے جو لوگ چاند نہ دیکھیں ان پر روزہ واجب نہیں۔اگر سورج کے وقتِ طلوع وغروب میں

تغیر کے حساب سے ہر خطے کے اپنے ضابطے ہیں تو چاند کی رویت پر بھی یہی طریقہ صادق آتا ہے۔اس لیے جواب نہایت سادہ ہے کہ آپ پر آپ کے اپنے قصبے کی رویتِ ہلال کو ماننا فرض ہے۔" (شیخ العثیمین، العقلیات المسلمہ، صفحہ نمبر 84)۔

عالمی رویت ہلال کا طریقہ دراصل بدعت کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی ایک حدیث بھی اس کے حق میں ہمیں نہیں ملتی ایک علاقے کا چاند دیکھنا دوسرے علاقے والوں کے لیے حجت بن جائے۔ یوں بھی منطقی لحاظ سے قریباً پچاس برس قبل بھی یہ ناممکن تھا کہ چاند کی شہادت کو دیگر ممالک تک پہنچایا جا سکے کیونکہ نہ ٹیلیفون عام تھے اور نہ ہی سفر اتنا آسان تھا کہ گھنٹے دو گھنٹے کی بات ہو۔ کجا کہ صدیوں پہلے خلفاء راشدین کے زمانے میں ایسا ممکن ہوتا۔ بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ مسلمان قریب کے شہروں میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی رویت ہلال کی تقلید نہیں کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس کی مذکورہ بالا روایت سے یہ بات ثابت ہے۔

عیدالاضحیٰ کے معاملے میں بھی اس بات کا کوئی ثبوت قرآن وسنت سے نہیں ملتا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم یا کسی صحابی نے یہ نام نہاد "وحدت المطالع" (یعنی پوری دنیا کے مطلع کو ایک مان کر ایک جگہ چاند طلوع ہونے کو پوری دنیا کے لیے معیار بنا لینا) قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔

اس نقطہ نظر کے حامی یہ کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کو حج کی تاریخ (وقوفِ عرفہ) کے مطابق ہی عیدالاضحیٰ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔اگر اس رائے کو صحیح مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں عیدالاضحیٰ منانے کے لیے مکہ میں حج کی تاریخ معلوم کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ مکہ کے مطابق تاریخِ حج کا اعلان کبھی مدینہ میں کیوں نہ کرایا؟ حالانکہ فتح مکہ کے بعد اس امر میں کوئی مشکل نہ تھی کہ مکہ میں حج کی تاریخ معلوم کر لی جاتی کیونکہ

(چاند کے بعد سے عید تک کے) دس دنوں کا وقت اس کے لیے بہت کافی تھا کہ ایک گھڑ سوار یہ اطلاع مدینہ اور ارد گرد کے علاقوں تک پہنچا دیتا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی اقدام نہ کیا۔ بلکہ ہر قصبے کے لوگ اپنے مقامی ہلال کی رویت کے مطابق ہی عید الاضحیٰ مناتے رہے۔ لہٰذا تمام علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید الاضحیٰ ذی الحجہ کی 10 تاریخ کو منائی جائے جس کا انحصار ہر مقام کی اپنی رویتِ ہلال پر ہے نہ کہ مکہ کی رویت ہلال پر۔ ویٹیکن (مسیحیت کے عالمی مرکز) کی طرز پر امت پر ایک عقیدہ ٹھونسنا بدعت ہے۔

عالمی رویت ہلال کا طریقہ اللہ کے احکامات کی نفی کے مترادف ہے۔ جیسا کہ ہم نماز کے اوقات بھی اپنی جائے وقوع پر سورج کی پوزیشن کے حساب سے طے کرتے ہیں تو چاند کی رویت بھی اپنی جائے وقوع سے ہی کریں گے۔ تمام اہلِ عالم کا ایک جگہ کی رویت ہلال پر اتفاق ایک نا معقول بات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم نماز بھی مسجد الحرام کے اوقات کے مطابق پڑھنے لگیں۔

منطق اور مثال سے سمجھنا چاہیں تب بھی آپ اس طریقے کو ناممکنات کی فہرست میں شامل کریں گے۔ اسے درج ذیل مثال سے سمجھیں۔

امریکہ میں رات مشرقی ممالک کے 10 گھنٹے بعد ہوتی ہے۔ یوں نئے چاند پر زیادہ وقت گزرنے کی بنا پر جو چاند مشرقی ممالک میں نظر نہیں آتا وہ اکثر امریکہ میں پہلے نظر آجاتا ہے کیونکہ امریکہ میں رات ہوتے ہوتے چاند پر 10 سے 12 گھنٹے مزید گزر چکے ہوتے ہیں۔ اب فرض کیجیے کہ امریکہ کے جزیرے ''ہوائی'' میں رمضان کا چاند شام 6:30 بجے نظر آتا ہے تو اس وقت سعودی عرب میں صبح کے 7 بج رہے ہوں گے۔ یعنی نیا دن شروع ہو چکا ہوگا۔ یوں عالمی رویت کے اصول پر نیا چاند نظر آنے کے بعد بھی ان کے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ جبکہ

آسٹریلیا اور فلپائن میں دن کے 12:30 بجے ہوں گے۔اب یا تو وہ اگلے دن اپنا چاند دیکھ کر روزہ رکھیں یا پھر ان کا پہلا روزہ اور پہلی تراویح سب چلی گئیں۔اللہ تعالیٰ یہ ناانصافی کیسے کر سکتے ہیں؟

اس مثال سے یہ ثابت ہوا کہ عالمی رویت ہلال کا طریقہ حکمت سے خالی ہے۔جبکہ مقامی رویت ہلال کا طریقہ کسی طور بھی تعصب اور گروہی برتری و انتشار کا موجب نہیں بنتا کیونکہ اس میں کسی قوم کو دوسری پر برتر نہیں مانا جاتا، نہ ہی یہ مسلمانوں کی باہمی یگانگت میں رکاوٹ ہے۔ بلکہ یہی احسن اور منصفانہ طریقہ ہے۔اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

بہرحال اس بحث کا لبِ لباب یہ ہے کہ عالمی رویت ہلال کا کوئی ثبوت بھی ہمیں قرآن و سنت سے نہیں ملتا اور آج کے ایڈوانس دور میں بھی یہ اتنا ہی ناممکن اور نامعقول طریقہ ہے جتنا چودہ سو سال قبل تھا۔

واللہُ عالمُ۔ سبحانَکَ الھُمَ وَبِحمدِکَ اشھدُ اللہ الہ الا انتَ استغفِرُکَ وَ اتوبُ علیک۔

اصل ارٹیکل درج ذیل لنک پر موجود ہے۔

https://www.facebook.com/note.php?note_id=10151147721057425

طاقتور کا نقصان نہ کیجیے
وہ آپ کی دنیا کو خطرے میں ڈال دے گا
کمزور کا نقصان نہ کیجیے
وہ آپ کی آخرت کو خطرے میں ڈال دے گا (ابویحییٰ)

پروفیسر محمد عقیل

پریشان ہونا چھوڑیئے، جینا شروع کیجئے

اصول نمبر 11۔ ہماری سوچیں اور ہم

کیس اسٹڈی

وہ جب ہسپتال میں داخل ہوا تو بون میرو کے ذریعے پتا چلا کہ اسے آئی ٹی پی (idiopathic thrombocytopenic purpura) کا مرض ہے۔ اس مرض میں دفاعی نظام خون میں موجود پلیٹ لیٹس کو دشمن سیل سمجھ کر ختم کرنا شروع کردیتا ہے اور یوں جسم میں پلیٹ لیٹس کی تعداد مناسب لیول سے کم رہتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کے اندر اور باہر کہیں بھی خون بہنے کا امکان ہوتا ہے اور اگر چوٹ لگ جائے تو خون کا بہاؤ مشکل سے رکتا ہے۔

اسے جب اس بیماری کا علم ہوا تو شروع میں منفی سوچوں نے زندگی بدل کر رکھ دی۔ اکثر رات کو سوتے وقت یوں لگتا کہ ناک سے خون بہہ رہا ہے اور وہ ہڑ بڑا کر اٹھ جاتا اور باتھ روم میں جا کر دیکھتا تو ایسا کچھ نہ ہوتا۔ کبھی یوں لگتا کہ جسم پر سرخ دھبے نمودار ہونا شروع ہوگئے ہیں، انہیں غور سے دیکھنے پر وہ دھبے گہرے ہوتے جاتے یہاں تک کہ وہ دہشت زدہ ہو کر اسکن کا جائزہ لینا چھوڑ دیتا۔ کبھی سر میں درد ہوتا تو یوں لگتا کہ اب دماغ میں بلیڈنگ اسٹارٹ ہوا ہی چاہتی ہے۔

ایک مرتبہ تو حد ہوگئی۔ اس نے آفس میں ایک دوست سے ہاتھ ملایا تو اس نے توجہ دلائی کہ اس کے ہاتھ غیر معمولی طور پر لال ہورہے ہیں۔ اس نے جب غور سے دیکھا تو ہتھیلیاں اور ہاتھ کی پشت بہت زیادہ لال تھی۔ اس نے ہاتھ دھو کر وہ لالی چھٹانے کی کوشش کی لیکن کچھ نہ ہوا۔

وہ سمجھ گیا کہ اب تو بلیڈنگ ہونی لازمی ہے۔ جب اسے یہ یقین ہونے لگا کہ یہ پلیٹ لیٹس میں کمی ہی کی وجہ سے ہے تو اسے چکر آنے لگے، جسم میں نقاہت محسوس ہونے لگی اور بدن میں دوڑتا ہوا خون ایسا لگنے لگا کہ اب باہر آیا کہ تب۔

وہ اس دہشت زدگی کے عالم میں تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ کس ہسپتال کی جانب کوچ کیا جائے۔ اچانک اس نے اپنے جسم کے دیگر حصوں کا جائزہ لیا تو وہاں اس قسم کی کوئی علامت نہ تھی ۔اس نے دماغ کو پرسکون کیا اور اس امکان پر غور کرنے لگا کہ ممکن ہے کوئی چیز ایسی ہو جس سے ہاتھ سرخ ہوگئے ہوں۔ وہ سوچتا رہا سوچتا رہا یہاں تک کہ اسے خیال آیا کہ کچھ دیر پہلے وہ باتھ روم سے ہو کر آیا تھا اور وہاں ایک ایسے رومال سے ہاتھ صاف کئے تھے جو پہلی مرتبہ استعمال کیا تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے جیب سے اس رومال کو نکالا۔ وہ لال رنگ کا تھا اور کچھ گیلا ہو رہا تھا۔ اس نے وہ رومال اپنے اور اپنے ساتھی کے ہاتھوں پر رگڑا تو اس کے ہاتھوں کا رنگ بھی ویسے ہی سرخ ہوگیا۔ عقدہ یہ کھلا کہ رومال رنگ چھوڑ رہا تھا اور بس۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد پلیٹ لیٹس کم ہونے کی وہ ساری علامات جو وہ اپنے جسم میں محسوس کر رہا تھا یکدم غائب ہوگئیں اور وہ ہشاش بشاش اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ لیکن اس نے دوبارہ اس نامعقول رومال کو ہاتھ نہیں لگایا۔

وضاحت

ہم وہی ہوتے ہیں جو ہماری سوچیں ہوتی ہیں۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ ہم ایک بدنصیب ، بدبخت اور لاچار انسان ہیں تو ہماری باڈی اسی طرح ری ایکٹ کرکے ہمیں ایک بے بس انسان بنا دیتی ہے۔ اگر ہم غموں کی سوچ کو خود پر حاوی کریں تو ہمارا روپ ایک پژمردہ شخص ہی کا ہوتا ہے۔ اگر ہم چوبیس گھنٹے اپنے جسم میں درد کو محسوس کرتے رہیں تو ایک نفسیاتی درد محسوس ہونے

لگ جاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی خود کو ایک باہمت، طاقتور اور توانا کے روپ میں سوچے تو اس کا جسم اس کی نفسیات کے مطابق ڈھلنے کی کوشش کرتا ہے۔کوئی اگر خوشی اور مسرت کی سوچوں میں رہے تو کئی حقیقی تکالیف بھی محسوس نہیں ہوتیں۔کوئی اگر دوسروں کے بارے میں منفی سوچ کو نکال دے تو اس کے دماغ میں نفرت کے کانٹوں کی بجائے محبت کے پھول کھلنے لگ جاتے ہیں۔

یہ سوچ ہی ہے جس کی بنا پر نپولین بونا پارٹ جیسا عظیم فاتح یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں حقیقی کامرانی سے بھرپور لگاتار چھ دن بھی نہیں دیکھے۔اور یہ سوچ ہی ہے کہ ایک اندھی، گونگی اور بہری ہیلن کیلر کہتی ہے کہ میں نے زندگی کو انتہائی خوبصورت پایا ہے۔

اسائنمنٹ

- آپ اپنے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔اسے تین جملوں میں بیان کریں۔
- آپ اپنی سوچوں کی لسٹ بنایئے اور یہ تعین کریں کہ وہ مثبت ہیں یا منفی۔
- اپنی سوچوں کو بہتر اور مثبت بنانے کے لئے لائحہ عمل تیار کریں

جب عام آدمیوں کے قاتل نہ پکڑے جائیں تو خاص لوگوں کی ہلاکت کا سانحہ پیش آجاتا ہے اور جب خاص آدمیوں کے قاتل نہ پکڑے جائیں تو قوم کی ہلاکت کا سانحہ پیش آ جاتا ہے(ابویحییٰ)

مکاتیب

ابو یحییٰ

سابقہ انبیا کرام اور مسلمان

عزیز بہن

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

آپ کے ای میل کا شکریہ۔ ''سابقہ کتب اور مسلمان'' نامی مضمون میں جو میں کہنا چاہتا تھا اس کا خلاصہ میرے مضمون کے آخری پیراگراف میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

''ان تمام وجوہات کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان علما کو قدیم کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور انبیا سابقہ کی تعلیمات کو گہرائی میں جا کر سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ بات طے ہے کہ اب ہم قرآن وحدیث کے ذخیرے سے محروم نہیں ہو سکتے۔ مگر ہم نے غفلت کا مظاہرہ کیا تو دیگر انبیا کی تعلیمات میں جو انتہائی قیمتی مواد دعوتی اور تربیتی پہلو سے دستیاب ہے، اس سے ہم ضرور ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔''

میں نے جو آرٹیکل لکھا تھا اس میں یہ نہیں کہا تھا کہ عام لوگ جنھیں زندگی میں کبھی قرآن پڑھنے کی توفیق ہوئی ہو نہ حدیث کبھی پڑھی ہو وہ اٹھ کر تورات اور انجیل کا مطالعہ شروع کر دیں۔ صرف یہ عرض کرنے کی کوشش کی تھی اہل علم کو ان کتابوں سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس آرٹیکل کا پس منظر یہ تھا کہ میری ایک دو تحریروں میں سیدنا عیسیٰ یا سیدنا داؤد علیہما السلام کی بعض باتوں کا حوالہ ان کی کتب سے دے دیا گیا تھا۔ اس پر بعض سطحی علم رکھنے والے لوگوں نے یہ اعتراض شروع کر دیا تھا کہ انبیا سابقہ کی باتوں کا نقل کرنا غلط ہے۔ چنانچہ مجھے قلم اٹھا کر ان سطحی علم لیکن مکمل اعتماد کے ساتھ گفتگو کرنے والوں کو یہ بتانا پڑا کہ جس روایت کی بنیاد پر یہ رائے قائم

کی جاتی ہے وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔ ساتھ ہی اس آرٹیکل میں تفصیل سے یہ بتایا کہ کیوں کتب سابقہ سے استفادہ کرنا مسلمان اہل علم اور ان کی رہنمائی میں عام مسلمانوں کی ضرورت ہے۔

میں نے کہیں اس بات کی وکالت نہیں کی کہ لوگ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پڑھنا شروع کر دیں۔ ہمارا تو رونا ہی یہی ہے کہ لوگ دین کی اصل تعلیم جو قرآن مجید اور سیرت طیبہ اور سنت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اسے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انھیں تو ہر حال میں ہمیں اپنی زندگی بنانا چاہیے، لیکن مقصد اس بات کی تردید کرنا تھا کہ سابقہ کتب سے اہل علم اور ہمارے جیسے دینی طالب علموں کا استفادہ اور ان کا حوالہ دینا غلط ہے۔

ویسے میں نے اس مضمون میں بھی ایک کامن سینس کا سوال اٹھایا تھا اور اب آپ کے موجودہ اعتراض کی روشنی میں (یعنی پہلے قرآن پڑھنا چاہیے) دوبارہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ وہ یہ کہ ہم سب لوگ اپنی گفتگو اور تحریروں میں مشرق ومغرب کے دانشوروں، مفکروں اہل علم اور صوفیا کے حوالے دیتے رہتے ہیں۔ کیا اللہ کے نبی اتنے بے وقعت ہیں کہ علماء صوفیا اور دانشوروں کے اقوال تو نقل کرنا جائز ہو اور اس پر کوئی شرائط نہ لگائی جائیں اور جہاں حضرات انبیا کا معاملہ ہو ان کی بات نقل کرنے پر طرح طرح کے اعتراض شروع کر دیے جائیں اور شرائط عائد کر دی جائیں۔ اس ضمن میں جو اصل شرط ہے وہ میں عرض کر چکا ہوں کہ ان کے حوالے سے نقل کردہ کوئی بات قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ اس کے بعد بھی کوئی اعتراض کرتا ہے تو میں اس کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ پھر قرآن وحدیث کے علاوہ کبھی کسی عالم، صوفی، دانشور کی بات بھی نقل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان میں سے کسی کی اتنی حیثیت بھی نہیں کہ حضرات انبیا علیھم السلام کے قدموں کو چھونے والی مٹی کی بھی برابری کا دعویٰ کر سکیں۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آج کا مسلمان ایک متعصب قوم پرست مسلمان بن چکا ہے۔ حضرات انبیا کے نام لیوا چونکہ اہل کتاب بھی ہیں اس لیے مسلمان اپنی قوم پرستانہ سوچ کی بنا پر ان انبیا کو اہل کتاب کے نبی اور ان کی کتابوں کو اہل کتاب کی کتابیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان پر ایمان کا حکم ملنے کے بعد ضروری تھا کہ ہم ان کی کتابوں کو اپناتے اور یہود و نصاریٰ کی تحریفات سے انھیں اسی طرح چھڑاتے جس طرح احادیث کو ہمارے اسلاف نے اہل بدعت کے پنجوں سے چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس کہ لوگ اکثر بات کو اس کے صحیح پہلو سے سمجھنے کے بجائے اعتراض و جدال کی نفسیات ہی میں رہتے ہیں۔ بہرحال ہمارا کام سچائی کو سامنے رکھنا ہے تا کہ لوگ صحیح راستے پر قائم رہ سکیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم یہ ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

سوال و جواب

ابو یحییٰ

دعوتی سوچ کیا ہوتی ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

سر اس سوال میں میری رہنمائی فرما دیں کہ دعوتی سوچ کیا ہے۔ اور دعوتی سوچ کے حامل ایک مسلمان کو اپنے علم اور عمل میں کیسا ہونا چاہیے شکریہ۔

محمد علی

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ

برادر عزیز دعوتی سوچ خیر خواہی کی سوچ ہوتی ہے۔ یہ دردمندی کی سوچ ہوتی ہے۔ ایک داعی اللہ کی ہستی کو دریافت کرتا اور اس کو دوسروں سے متعارف کرانا چاہتا ہے۔ وہ رب کریم کے انعام کو جنت کی شکل میں دریافت کرتا اور دوسروں کو بھی اس سے روشناس کرانا چاہتا ہے۔ وہ رب عظیم کے قہر کو جہنم کے شعلوں میں دریافت کرتا اور دوسروں کو بھی اس سے متنبہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی شخصیت کی درمندی کو پانے والا ہوتا ہے اور انھی کی طرح مخلوق کا خیر خواہ بن کر ان تک اپنے مالک کا پیغام پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ کتابوں میں لکھے ہوئے خدائی وعدوں کا ناقابل تردید ثبوت پاتا اور اس کی بنیاد پر انسانیت پر انبیا کی سچائی کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک مادی دنیا میں رہ کر ہر آن فرشتوں کو مالک کائنات کے احکام نافذ کرتا ہوا دیکھتا ہے اور لوگوں کو اس عظیم رب کی بندگی کی طرف بلاتا ہے۔ یہی دعوتی سوچ ہے کہ ایمان معرفت میں ڈھل جائے اور یہ معرفت اتنی بڑھے کہ انسان اس ان دیکھی دنیا سے لوگوں کو متعارف کرانے لگے جس کے ہونے میں اور جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

رہا ایک داعی کا علم و عمل تو اسے اپنے علم میں ہمیشہ بہتر سے بہتر کی جستجو کرنی چاہیے۔ سچائی کو پانا اس کا نصب العین ہونا چاہیے اور اس راہ میں کوئی تعصب حائل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد خود بخود وہ عمل پیدا ہوتا ہے جو عمل صالح کہلاتا ہے۔ جس کی مختصر ترین تعریف عدل، احسان اور انفاق کی راہ پر چلنا اور فواحش، منکرات اور ظلم سے دور رہنا ہے۔ میں نے قرآن کا مطلوب انسانی نامی کتاب میں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اسی عمل صالح کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطالعہ ضرور کیجیے۔

والسلام

ابو یحییٰ

جہنم کیوں؟

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سر میرا سوال یہ ہے کہ اگر اللہ پاک کو پتا تھا کہ اگر میں یہ دنیا بناؤں گا تو آخر میں قرآن کی آیت کے مطابق جہنم کو بھرنا پڑے گا تو کیا اس سے بہتر نہیں تھا کہ دنیا نہ بنتی کیوں کہ اللہ پاک کو تو نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ نقصان لیکن اس دنیا کے انجام میں انسانوں کی بہت بڑی تعداد کو جہنم میں جانا پڑے گا۔

معز افضل

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز اور محترم دوست! جو سوال آپ نے کیا ہے اس قسم کے سوالات کا براہ راست جواب تو اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔ تاہم اس کی صفات پر اعتماد کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہمیں

لوگوں کا احساس ہے تو وہ ہم سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ بندوں اور مخلوق سے محبت کرنے والا ہے۔ اس لیے اطمینان رکھنا چاہیے کہ اس کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کا سبب ہے۔ اب رہا آپ کا متعین سوال تو اس حوالے سے دو گزارشات پیش ہیں۔

پہلی خود ہماری اپنی فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے۔ دیکھیے ہم میں سے ہر شخص جب تعلیم حاصل کرتا ہے تو اس کا مقصد زندگی میں اعلیٰ مقام کا حصول ہوتا ہے۔ مگر اس کے لیے امتحان میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ جب امتحان ہوتا ہے تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد ناکام بھی ہو جاتی ہے۔ تو کیا اس وجہ سے امتحان کا سلسلہ بند کر دینا چاہیے؟ نہیں امتحان نہیں بند ہونا چاہیے بلکہ لوگوں کو تلقین کرنی چاہیے کہ وہ امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے محنت کریں۔

اسی پر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا اصل منصوبہ انسانوں کے بارے میں یہ ہے کہ انھیں جنت کی ابدی بادشاہی سے سرفراز کیا جائے۔ مگر یہ بادشاہی امتحان کی بنیاد ہی پر دی جائے گی۔ چنانچہ اس دنیا میں امتحان رکھا گیا ہے۔ اس امتحان میں لوگ ظلم اور سرکشی پر بھی اتر آتے ہیں۔ اب عدل کا تقاضہ ہے کہ ایسے ظالموں، سرکشوں اور معصوموں کی جان مال آبرو سے کھیلنے والوں کو جہنم رسید کیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں جہنم کی سزا دی جائے گی۔ یعنی معاملہ کسی معصوم شخص کا نہیں نہ اللہ تعالیٰ کو بلاوجہ جہنم کو لوگوں سے بھرنے کا شوق ہے۔ مگر انصاف کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر متکبر، سرکش اور ظالم بھی سزا سے بچ کر جنت میں چلے گئے تو یہ تو عدل نہ ہوا۔

اس حوالے سے دوسری گزارش یہ ہے کہ قرآن کریم کے دو مقامات سے یہ اشارہ ملتا ہے جہنم کے خلود یعنی ابدیت کی نوعیت جنت کے خلود سے مختلف ہے۔ سورہ ہود آیات 106 تا 108 میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ دونوں کا خلود اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ یعنی جب چاہے ختم کر دے اور جب تک چاہے باقی رکھے۔ لیکن ان آیات میں جنت کے ذکر میں یہ یقین دہانی

کردا ی کہ جنت کی عطا کبھی ختم نہیں کی جائے گی البتہ جہنم کے بیان میں یہ کہہ دیا کہ اللہ جو چاہے گا کرے گا۔ جہنم کے حوالے سے یہی بات سورہ انعام آیت 128 میں دہرادی گئی ہے کہ اس کا وجود اللہ کی مشیت پر منحصر ہے۔

یعنی ان دونوں جگہ یہ اشارہ دے دیا گیا ہے کہ جنت کے برعکس جو کبھی ختم نہیں ہوگی جہنم کے بارے میں کچھ اور فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اللہ پر کوئی ایسی ذمہ داری نہیں کہ وہ اسے ہمیشہ باقی رکھے۔

اس کے بعد بھی کوئی اشکال ہے تو آیئے مل کر جنت میں جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہاں پہنچ گئے تو فارغ وقت میں اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی سوالات کرتے رہیں گے۔ اور اگر نہیں پہنچ سکے تو ایسے سوالات کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

والسلام

ابو یحییٰ

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (10)

دلائل آخرت: ربوبیت کی دلیل

ربوبیت اور احتساب

ربوبیت زندگی کو جنم دینے، اسے برقرار رکھنے اور اس کی بقا اور تحفظ کو یقینی بنانے کا عمل ہے۔ اس کی سادہ ترین شکل ہم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح اس کے والدین نے اسے وجود بخشا، اس کی پرورش کا اہتمام کیا اور ایک ننھی سی کونپل کو اپنی محنت و شفقت سے سینچ کر تناور درخت بنا دیا۔ والدین کی یہی وہ مہربانی ہے جس کی بنا پر کوئی اولاد اگر والدین کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے تو معاشرے کی نگاہ میں قابل الزام ٹھہرتی ہے۔ اس کی ایک اور مثال آجر اور اجیر کا رشتہ ہے۔ ایک انسان جب ملازمت کرتا ہے تو اس کا مالک اسے ہر ماہ ایک مقررہ رقم بطور معاوضہ دیتا ہے۔ انسان اس رقم سے اپنی ضروریات زندگی پوری کرتا ہے۔ یہ تنخواہ اگر ملازم کا حق ہے تو اس کے جواب میں مالک کی بات ماننا، جو ذمہ داری دی جائے اسے پورے طور سے بجالانا ملازم کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ ملازم اگر یہ نہیں کرتا تو پھر مالک کا حق بنتا ہے کہ اس کا احتساب کرے۔ یہ احتساب آج نہیں ہوگا تو کل ہوگا۔ مگر جب کبھی ہوگا تو ایک کام چور ملازم کو بہرحال اس کی قیمت دینی پڑے گی۔ رہے جو لوگ محنت اور دیانت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے، انہیں اصل تنخواہ کے ساتھ انعام و اکرام اور ترقی ملنا بھی ایک لازمی حق بن جاتا ہے۔

کائناتی ربوبیت اور اخروی جوابدہی

ربوبیت کی یہی داستان کہیں اعلیٰ سطح پر اس کائنات میں انسان کے حوالے سے صبح شام دہرائی جارہی ہے۔ انسان ایک ایسی کائنات میں جیتا ہے جو ہر پہلو سے حیات کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کائنات میں پانی ہے نہ ہوا،سبزہ ہے نہ غذا،دانہ ہے نہ دوا۔ یہاں مجرد خلا ہے، دہکتے ستارے ہیں، یخ بستہ اجسام ہیں۔ یہاں درجہ حرارت اس حد تک کم ہے کہ زندگی کی حرارت کو جمادے یا پھر اتنا زیادہ ہے کہ زندگی کی ہر رمق کو جلا کر مٹا سکتا ہے۔اس قاتل کائنات کے ہر ذرے پر زندگی کے لیے صرف ایک ہی فیصلہ۔موت کا فیصلہ۔رقم ہے۔زندگی کے اس قبرستان میں کرہ ارض ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں زندگی اپنے تمام تر حسن اور تنوع کے ساتھ جلوہ فرما ہے۔ یہ زندگی اس لائف سپورٹنگ سسٹم کا نتیجہ ہے جو اس کرہ ارض کو نہ صرف زندگی کی جنم بھومی بناتا ہے بلکہ اس کی بقا اور تحفظ بھی یقینی بناتا ہے۔اس انتظام کے گوناگوں پہلوؤں کو قرآن مجید نے بار بار دہرایا ہے وہ ہر دور کا انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔مگر دور جدید کا انسان اپنے غیر معمولی علم کی بنا پر ہر دور سے بڑھ کر سمجھ سکتا ہے کہ اس کی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے اس کرہ ارض پر ان گنت اہتمام کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید زندگی کی بقا اور تحفظ کے ان انتظامات کی نہ صرف یاددہانی کراتا ہے بلکہ انسان کو جو خصوصی شرف دیا گیا، علم و عقل، سمع و بصر اور اختیار و ارادہ کی جو اضافی صلاحیتیں دی گئیں اور جس طرح تمام کائنات کو انسان کے لیے مسخر کیا گیا ہے، ان کی تفصیل کرتا ہے۔ وہ انسانی ضروریات ہی کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان کہ ذوق جمال کی تسکین کے لیے بھی اس دنیا میں کیا کیا غیر معمولی انتظام کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید ربوبیت کے وہ نمایاں اہتمام انسان کے سامنے رکھتا ہے جن کو انسان صبح و شام دیکھتا ہے اور پھر یہیں سے آخرت پر استدلال کرتا ہے کہ جب یہ سب کچھ گیا ہے تو پھر یہ طے ہے

کہ بدلے کا دن آکر رہے گا۔اس کا سبب یہ ہے کہ ربوبیت کے ساتھ جواب دہی لازم وملزوم ہے۔جس طرح شروع میں آجر واجیر کی مثال میں ہم نے دیکھا کہ ملازم کو تنخواہ اگر دی جارہی ہے تو بہرحال اس سے پوچھا جائے گا کہ تفویض کردہ کام اس نے کیا یا نہیں۔جنھوں نے یہ کام کیا ان کی تحسین وترقی واجب ہے اور جنھوں نے غفلت اور سرکشی برتی ،ان کی گرفت بہرحال کرنے کا ایک کام ہے۔یعنی اس کا ایک وقت معین ہے۔اور وہی روز قیامت ہے جب ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآنی بیانات

مذکورہ بالا تمام حقائق کو قرآن مجید میں جگہ جگہ دہرایا گیا ہے۔ربوبیت اور پرورش کا ذکر کرکے اس سے قیامت پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے۔

”کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ تم کو جوڑے جوڑے نہیں پیدا کیا؟ تمہاری نیند کو دافعِ کلفت نہیں بنایا؟ رات کو تمہارے لیے پردہ اور دن کو وقتِ معاش نہیں بنایا؟ تمہارے اوپر سات محکم آسمان نہیں بنائے اور اس کے اندر ایک روشن چراغ نہیں رکھا؟ اور کیا ہم نے پانی سے لبریز بدلیوں سے موسلا دھار پانی نہیں برسایا کہ اس کے ذریعہ سے اگائیں غلہ اور نباتات اور گھنے باغ؟............ بے شک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے۔

(سورہ نبا78:17-6)

”اور زمین کو ہم نے بچھایا اور ہم نے اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کی چیزیں تناسب کے ساتھ اگائیں اور ہم نے اس میں تمہاری معیشت کے سامان بھی رکھے اور ان کی معیشت کے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں لیکن ہم اس کو ایک معین اندازے کے ساتھ ہی اتارتے ہیں۔

اور ہم ہی ہواؤں کو بارآور بنا کر چلاتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے اور تم کو اس سے سیراب کرتے ہیں اور یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم اس کے ذخیرے جمع کر کے رکھتے۔

اور بے شک یہ ہم ہی ہیں کہ زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں اور بے شک تمہارا خداوند ہی ہے جو ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔ (سورہ الحجر 15:25-19)

''وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو گھوارا بنایا اور اس میں تمہارے لیے راہیں نکالیں اور آسمان سے پانی برسایا، پس ہم نے اس سے مختلف نباتات کی گوناگوں قسمیں پیدا کر دیں۔ کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو چراؤ۔ اس کے اندر اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔ اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔''

(طٰہٰ 20:55-53)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم دیکھتے دیکھتے بشر بن کر روئے زمین پر پھیل جاتے ہو اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی ودیعت کی۔ بے شک اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور کرنے والے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی خلقت اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا تنوع بھی ہے۔ بے شک اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں اصحاب علم کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کے فضل کا طالب بننا ہے...... بے شک اس کے اندر گوناگوں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ چیز بھی ہے کہ آسمان و زمین اس کے

حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لیے ایک ہی بار پکارے گا تو تم دفعتہً نکل پڑو گے۔''   (روم30:25-20)

یہ چند مقامات بطور مثال نقل کیے گئے ہیں جن سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو پالنہار ہے وہ ایک روز نعمتوں کے حساب کے لیے ضرور جمع کرے گا۔ جبکہ انسان کی ذات پر براہ راست کی گئی نعمتوں کا ذکر اوران سے آخرت پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے۔

''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھ اور دِل بنائے، پر تم بہت کم شکر گزار ہوتے ہو! اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے پھر تم اسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کی آمد و شد تو کیا تم سمجھتے نہیں!''   (المومنون23:80-78)

انسان کی تخلیق، اس کی پرورش کے کائناتی انتظام کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے تحفظ کا مستقل اہتمام بھی کائنات میں جاری ہے۔

''اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔''   (انبیا21:32)

''اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی اوران کو تھامنے والا نہیں بن سکتا۔ بے شک وہ نہایت حلیم وغفور ہے۔

(فاطر35: 41)

تخلیق، بقا، تحفظ اور تسکین ؛ ربوبیت کے یہ وہ تمام پہلو ہیں جو اس بات کی طرف انسان کو توجہ دلاتے ہیں کہ یہ سب پا کر انسان کو بے پروا نہیں بلکہ ذمہ دار ہونا چاہیے۔ کیونکہ ایک دن آئے گا جب نعمت دینے والا سرکشوں کو سزا اور وفاداروں کو جزا دے گا۔ ربوبیت کا یہی انتظام آخرت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔   [جاری ہے]

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (14)

مشرقی شرم وحیا کی روح ہمارے اندر اس گہرائی میں پیوست ہے کہ کئی عشروں تک میڈیا کے ذریعے پھیلائی جانے والی بے حیائی اسے مکمل طور پر ختم نہیں کر سکی۔ یہ بات اہل مذہب کے لئے اپنے اندر ایک گہرا سبق لیے ہوئے ہے۔ مذہب کو قانون بنا کر ڈنڈے کے زور پر نافذ کرنے کی بجائے اگر وہ اسے تہذیب بنا کر لوگوں کی روح کی گہرائیوں میں اتار دیں تو اسے آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اسلاف نے یہی کیا جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

بولو کی جامع مساجد

اب سورج غروب ہو چکا تھا۔ اتنے میں مغرب کی اذان کی آواز سنائی دی۔ اس اذان نے اس گھٹن کا خاتمہ کر دیا جو کہ ہم یہاں آ کر محسوس کر رہے تھے۔ اذان کی آواز نہایت ہی مناسب تھی۔ ہمارے ہاں تو لاؤڈ اسپیکر کو اتنا تیز کر دیا جاتا ہے کہ اس کی آواز کانوں کو چیرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اذان سے ہٹ کر مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کو اتنا زیادہ استعمال کیا جاتا ہے کہ لوگ دین سے بیزار ہو جائیں۔ ارباب مسجد ان احادیث کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں پڑوسی کو ایذا پہنچانے کو کتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ مجھے مسجد سے بہت لگاؤ ہے مگر اس کے باوجود میری کوشش ہوتی ہے کہ مسجد سے کچھ دور ہی گھر لیا جائے تا کہ لاؤڈ اسپیکر کے جا بجا استعمال سے نجات مل سکے۔ ہمارے ہاں صرف دین دار ہی نہیں بلکہ دنیا دار حضرات کا بھی یہی حال ہے۔ اگر ان کے ہاں کوئی تقریب ہو تو پھر لاؤڈ اسپیکر میں کان پھاڑ دینے والی موسیقی بجائی جاتی ہے تا کہ کوئی آرام نہ کر سکے۔

سڑک پار کر کے ہم مسجد کی جانب بڑھے۔ یہ ایک قدیم مسجد تھی۔ مسجد کے باہر ایک سبیل لگی ہوئی تھی جس میں پینے کا پانی تھا۔ یہ سبیل مسجد کی تعمیر کے دور کی لگ رہی تھی۔ یہاں ایک طویل

بالوں والے صاحب کھڑے تھے۔ میں نے وضو خانے کا پوچھا تو بڑے خوش ہوئے اور میرے ساتھ چل کر وضو خانے کی نشاندہی کی جو کہ تہہ خانے میں تھا۔

میں نیچے پہنچا تو ایک عجیب منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایک طرف استنجا کے لئے ٹائلٹ بنے ہوئے تھے اور دوسری جانب وضو کے لئے جگہ تھی۔ ہمارے ہاں عموماً ٹائلٹ کے باہر کچھ جمعدار صاحبان سر پر کپڑا باندھے جھاڑو لے کر بیٹھے ہوتے ہیں اور ہر آنے جانے والے سے پانچ روپے وصول کرتے ہیں۔ یہاں ایک شیشے کا کیبن بنا ہوا تھا اور اس میں کسی جمعدار کی بجائے ایک طرح دار خاتون براجمان تھیں اور کسی میوزیم کی طرح ٹائلٹ جانے کے لئے نصف لیرا کا باقاعدہ ٹکٹ ایشو کر رہی تھیں۔ مجھے چونکہ صرف وضو کرنا تھا اس لئے انہوں نے مجھ سے کوئی رقم وصول نہیں کی۔ مسجد کا وضو خانہ ہماری طرح کا تھا مگر اس میں بیٹھنے کے لئے کافی اونچی نشست تھی۔ یہاں بھی عرب ممالک کی طرح جوتوں سمیت وضو خانے میں لوگ جا رہے تھے۔

اوپر مسجد میں پہنچا تو ایک اور عجیب چیز دیکھی۔ محراب میں امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے اور ان کے پیچھے دو صفوں میں نمازی تھے۔ مسجد کے پچھلے کونے میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا جس میں دو صاحبان اسپیکر کے سامنے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نائب امام تھے اور دوسرے ان کے ساتھ محض صف بنانے کے لئے کھڑے تھے۔ امام صاحب جب تکبیر کہتے تو یہ اسپیکر میں بلند آواز میں تکبیر کو دوہراتے۔ نماز کے بعد نائب امام صاحب نے دعا کروائی۔ اس قسم کے بعض رواج ہمارے ہاں بھی ہیں جن کا کوئی ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں نہیں ملتا۔ نماز ایسا معاملہ ہے جس میں ہمیں نت نئے طریقے ایجاد کرنے کی بجائے خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا چاہیے۔

[جاری ہے]

شمائلہ عثمان

دیے سے دیا جلے گا تو روشنی ہوگی

آج ماجد کو دیکھ کر مجھے دس سال پہلے کا اپنا وقت یاد آ گیا۔ میں بھی بالکل اسی طرح اعلیٰ ڈگری کے ساتھ بہترین تراش خراش کا لباس پہنے اپنی برتری کے زعم کے ساتھ آفس میں داخل ہوا تھا۔ رضوان صاحب پر پڑنے والی پہلی ہی نگاہ نے انہیں ریجیکٹ کر دیا تھا۔ معمولی شکل و صورت، ڈھیلا ڈھالا لباس جوان کی شخصیت کو میری نظر میں مزید معمولی بنا رہا تھا۔ چہرے پر پر اعتماد مسکراہٹ اور سکون دیکھ کر دل میں سوچا ''اس روپ پر یہ غرور'' واہ واہ!

تمام اسٹاف ان کی بے حد عزت کرتا تھا اس لیے کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا لیکن اپنے رویہ کی بیزاری ان پر کھل کر ظاہر کر دی تھی۔ اس کے باوجود ان کی خوش اخلاقی میں قطعی کوئی فرق نہ آیا لیکن وقت کی مہربانی نے صحیح اور غلط کو چھان کر الگ کر دیا۔ ان کی رہنمائی نے میرے کئی بگڑے کام بنا دیے۔ پہلے ان کی ٹپس سینیئر ہونے کی وجہ سے زبردستی نہ چاہتے ہوئے بھی ماننی پڑتی تھیں، لیکن چند مہینوں میں ہی میں بھی دیگر اسٹاف کی طرح دل سے ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ ہر ایک سے یکساں مخلص تھے اور اسی لیے کوئی ان کے پیچھے بھی ان کے خلاف رائے نہیں دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ان کے اعلیٰ اخلاق اور نیک نیتی کی وجہ سے تھا۔ ان کی ذات کے بے شمار مثبت پہلو اپناتے ہوئے نہ صرف اپنی زندگی کی ان گنت مشکلات پر قابو پا لیا بلکہ دوسروں کے لیے بھی آسانیاں پیدا کیں۔ انا اور غرور کی دیوار گراتے ہی زندگی کی آدھی سے زیادہ مشکلات خود ساختہ محسوس ہوئیں۔ اب لوگوں کی صورت سے زیادہ سیرت پر بھروسہ کرنا سیکھا۔ مثبت انداز فکر نے رویوں کو مثبت کرنا سکھایا۔

آج یہی کچھ ماجد کے ساتھ ہونے جا رہا ہے۔ اس یقین اور اطمینان کے ساتھ کہ اس کو بھی اپنی راہ کا مسافر بنانا ہے۔ دیے سے دیا جلانا ہے، کارواں آگے بڑھانا ہے۔

پروین سلطانہ حنا

سبحان ربی الاعلیٰ

میں تیرا ذکر کرتی ہوتی ہوں
تجھی سے بات کرتی ہوں
تری سوچوں میں رہتی ہوں
تجھی کو یاد کرتی ہوں
کوئی جب بات کرتا ہے
کوئی جب پاس آتا ہے
تسلسل ٹوٹ جاتا ہے
ترا میرا جو رشتہ ہے
کوئی کچا نہیں دھاگا
کہ اک جھٹکے سے جا ٹوٹے
اسے جس ڈور سے باندھا
وہ ہے مشروط سانسوں سے
کہ جب تک سانس باقی ہے
یہی اک آس باقی ہے
کہ میں نے عمر کی ناؤ
جو تجھ کو سونپ دی مولیٰ
وہ نیّا پار ہو جائے

کچھ ایسی بات بن جائے
کچھ ایسی بات ہو جائے
کہ جب پرواز ہو میری
میں اڑ کے عرش تک پہنچوں
ترے قدموں میں گر جاؤں
تو میرے پاس آ جائے
بہت نزدیک آ جائے
اٹھاؤں سر جو سجدے سے
ترا دیدار ہو جائے

ابو یحییٰ کی نئی تصنیف

”حدیثِ دل“

زندگی اور شخصیت کی تعمیر کے لیے رہنما تحریریں

جو دل سے لکھی گئیں اور دل والوں کے لیے لکھی گئیں

”تیسری روشنی“

(مصنف: ابو یحییٰ)

☆ ابو یحییٰ کی داستان حیات۔ تلاش حق کی سچی کہانی

☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

☆ جب زندگی شروع ہوگی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب

☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان

☆ امت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف

☆ ابو یحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

(مزید معلومات کے لیے رابطہ: 0332-3051201)

4۔اللہ تعالیٰ کی نصیحت

''اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں؛

عدل کا،

اوراحسان کا،

اورقرابت داروں کودیتے رہنے کا،

اوربےحیائی،

اوربرائی،

اورسرکشی سے منع کرتے ہیں۔وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔

اوراللہ کے عہدکوپوراکروجبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اوراپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعدتوڑ نہ ڈالوجبکہ تم اللہ کواپنے اوپرگواہ بنا چکے ہو۔اللہ تمہارے سب افعال سے باخبرہے۔''(النحل16:91-90)

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنوکہ کہنےلگوکہ اگراورلوگ احسان کریں گےتو ہم بھی احسان کریں گے،اوراگردوسرےلوگ ظلم کارویہ اختیارکریں گےتو ہم بھی ویسا ہی کریں گے بلکہ اپنے دلوں کواس پر پکا کروکہ اگراورلوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرواوراگرلوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کارویہ اختیارنہ کرو(بلکہ احسان ہی کرو)۔(ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والانہیں بلکہ صلہ رحمی کرنے والاتو وہ شخص ہے جب اس سے ناطہ توڑا جائے تو وہ اس کو ملائے۔(کتاب صحیح بخاری جلد 3 حدیث نمبر929)